© rasailojaraid.com

پروفیسر ظہور احمد اظہر
یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

تذکرہ نگاروں کی ستم ظریفیاں!

تذکرہ نگاری اور تاریخ نویسی بڑا ایک عجیب اور دلچسپ فن ہے تذکرہ نگار آپ کو عجیب و غریب شخصیات سے متعارف کراتا ہے اور مورخ آپ کے سامنے تاریخ کے ایسے ایسے دلچسپ انوکھے واقعات کو جمع کر کے پیش کرتا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو شاید یہ باتیں آپ تک نہ پہنچ سکتیں، لیکن یہ فن عجیب اور دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ مشکل اور کٹھن بھی ہے واقعات کی چھان بین، حوادث کے پس منظر پر گہری نظر اور تاریخی سوانح کا صحیح، جامع اور مستند تسلسل وہ مراحل ہیں جہاں تذکرہ نگار یا مورخ ایک نازک اور کڑی آزمائش سے دوچار ہوتا ہے۔

مورخ کا تو دائرہ کار چونکہ بہت وسیع ہوتا ہے اور اسے مفصل تاریخی مواد سمیٹنا ہوتا ہے۔ اس لیے اس سے اگر کوئی ستم ظریفی یا بوالعجبی سرزد ہو جائے تو وہ کسی حد تک اغماض اور صرف نظر کے قابل ہے۔ لیکن تذکرہ نگار کا دائرہ عمل محدود ہوتا ہے اور اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ مختصراً ایک شخصیت کا جامع تعارف اور اس کی صحیح تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات حتی الامکان متعین کر دے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کام بھی مشکل ہے لیکن روایت کے ساتھ اگر درایت سے کام لیا جائے تو بہت حد تک آسان ہو جاتا ہے۔

عربی، فارسی اور اردو کی تذکرہ نگاری کے بعض پہلو بڑے ہی عجیب اور قسم قسم کی ستم ظریفیوں سے بھرے ہوتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً ایک ہی شخصیت کو دو مختلف اشخاص سمجھ کر الگ الگ دو تذکرے تصنیف کر ڈالنا۔ دو مختلف آدمیوں کو ایک شخصیت کے قالب میں ڈھال کر پیش کرنا۔ باپ دادا کے سلسلہ نسب میں ایک آدھ نام کا اضافہ یا کمی کر دینا۔ استاذ کو شاگرد کی پیدائش سے کئی سال پہلے مار دینا اور کبھی کنیت کو نام اور کبھی نام کو کنیت سمجھ لینا تو ہمارے تذکرہ نگاروں کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ لیکن ایک ستم ظریفی بلکہ بوالعجبی اور بھی دیکھنے میں آئی ہے اور وہ یہ کہ باپ اپنے بیٹے کی پیدائش سے کئی سال پہلے انتقال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو جائے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ کسی متقدم نے ایک غلطی کی تو متاخرین بھی بعد میں اندھی اونٹنی پر سوار ہو کر مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے۔ حقیقت کی گہرائی میں جانے اور واقعات کی چھان بین کرنے کی توفیق شاذ و نادر ہی ہوئی۔ تذکرہ نگاروں کی اس غفلت اور کوتاہی سے حقیقت تک پہنچنا اور اغلاط کے طومار سے صحیح صورت حال دریافت کرنا۔ ایک مشکل مسئلہ بن گیا ہے۔

اس غفلت اور کوتاہی کی ایک ادنیٰ مثال اندلس کے مشہور مؤرخ اور ادیب احمد بن محمد بن موسی رازی کے تذکرے میں ملتی ہے۔ آج تک تمام مؤرخین اور تذکرہ نگار احمد اور اس کے باپ محمد کا ذکر کرتے وقت چھان بین سے کام لیے بغیر یونہی مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے ہیں اور واقعات کی گہرائی میں جانے کے بجائے سطحی نظر سے نقل کرتے گئے ہیں۔ مثلاً ابن الابار نے احمد کے باپ محمد بن موسی الرازی کی وفات ربیع الثانی ۲۷۳ھ بتائی ہے۔ اس کے بعد جتنے بھی تذکرہ نگار یا مورخ آئے سب نے اسی پر اعتماد کیا۔ مثلاً المقری نے "نفح الطیب" میں۔ خیر الدین زرکلی نے "الاعلام" میں، عمر رضا کحالہ نے معجم المؤلفین میں اور البیان المغرب کے مقدمے میں محمد رازی کی تاریخ وفات یہی لکھی ہے[۱]۔ اب اندلس کا مشہور مؤرخ اور تذکرہ نگار ابو الولید ابن الفرضی لکھتا ہے کہ:

"اس محمد الرازی کا بیٹا احمد الرازی ۱۰ ذی الحجہ ۲۷۴ھ میں پیدا ہوا۔ بعد میں آنے والوں نے اسی قول پر اعتماد کیا اور یونہی نقل کرتے چلے گئے ہیں"۔ یاقوت الحموی نے معجم الادباء میں۔ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں خیر الدین زرکلی نے الاعلام میں، عمر رضا کحالہ نے معجم المؤلفین میں اور فاضل مستشرق لیوی پروفنسال نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں اپنے مقالہ "الرازی" میں اسی قول کا اتباع کیا ہے[۲]۔ لیوی نے بڑی وضاحت کے ساتھ اسی مقالے میں باپ کی وفات اور بیٹے کی پیدائش کا ذکر کرتے وقت لکھا ہے کہ باپ یعنی محمد بن موسی الرازی ۱۰ ذوالحجہ ۲۷۴ھ بمطابق ۲۶ اپریل ۸۸۸ء کو پیدا ہوا"۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ باپ ربیع الثانی ۲۷۳ھ ستمبر ۸۸۶ء میں فوت ہو جاتا ہے لیکن اس کا

---

[۱] تکملہ ۱/۳۶۰، نفح الطیب ۲/۴۷، الاعلام ۷/۳۲۹، معجم المؤلفین ۱۲/۶۲، مقدمہ البیان المغرب ص ۲۲

[۲] تاریخ علماء الاندلس ۱/۴۱، معجم الادباء ۴/۳۶، بغیۃ الوعاۃ ۱/۳۸۵، الاعلام ۱/۱۹۶، معجم المؤلفین ۲/۱۶۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیٹا تقریباً دو سال بعد ۱۰ ذوالحجہ ۲۷۴ھ/ ۲۶ اپریل ۸۸۸ء کو پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ بیٹا اتنی مدت بعد کیونکر پیدا ہوا؟ آیا یہ کوئی غیر معمولی مدت حمل تھی؟ یا محض سطحیت اور بے نیازی کا کرشمہ ہے؟

ہمارے پاس کوئی ایسی قطعی داخلی یا خارجی شہادت موجود نہیں جس کی بنیاد پر ابن الفرضی یا ابن الابار میں سے کسی ایک کو غلط اور دوسرے کو صحیح قرار دے سکیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کا بیان ضرور غلط ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ غیر معمولی اسباب کی بنا پر حمل کی مدت طویل ہو گئی ہو۔ لیکن اس قیاس کو یہ خیال کمزور کر دیتا ہے کہ اگر احمد الرازی اپنے باپ کی وفات کے دو سال یا پونے دو سال بعد ہوتا، تو تذکرہ نگار اس خلاف عادت اور غیر معمولی حادثے کا ذکر ضرور کرتے۔ کیونکہ مسلمان مؤرخین نے تو ایسے گمنام بچوں کا بھی تذکرہ کر دیا ہے جن میں شہرت یا ناموری کا اور کوئی وصف نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ ایک غیر معمولی مدت تک کے لیے شکم مادر میں رہے چہ جائیکہ احمد الرازی جیسا عظیم مؤرخ خلاف عادت اور غیر معمولی طور پر ماں کے پیٹ میں رہے اور مسلمان مؤرخ یا تذکرہ نگار اس غیر معمولی واقعہ کا ذکر تک نہ کریں؟! یا تو ابن الفرضی کا یہ بیان غلط ماننا پڑے گا کہ احمد الرازی ۱۰ ذوالحجہ ۲۷۴ھ کو پیدا ہوا اور یا پھر ابن الابار کا یہ قول مسترد کرنا پڑے گا کہ احمد کا باپ محمد بن موسیٰ الرازی ربیع الثانی ۲۷۳ھ میں فوت ہوا۔ عین ممکن ہے کہ اس غلطی کا سہرا ابن الفرضی یا ابن الابار کے بجائے ناشر، محقق یا نقل نویس کے سر ہو کہ ۳ کو ۴ یا ۴ کو ۳ سے بدل دیا ہو اور ہندسوں میں یہ تصرف ہوتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متقدمین ایسی اہم تواریخ کو ہندسوں میں لکھنے کے بجائے لفظوں میں ضبط کرنے پر زور دیتے رہے ہیں۔ اگر تین سے چار یا چار سے تین کے بدل جانے کا سبب طباعت یا نقل نویسی نہیں اور ابن الفرضی اور ابن الابار خود اس کے ذمہ دار ہیں تو پھر ابن الفرضی کا بیان زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ:

۱۔ ابن الفرضی متقدم ہے، وہ احمد الرازی کی وفات سے سات سال بعد پیدا ہوا۔ وہ احمد کے بیٹے عیسیٰ الرازی کا معاصر بھی تھا۔ اس لیے احمد کے بارے میں قرب زمانی کے باعث ابن الفرضی کی رائے زیادہ صحیح اور قرین قیاس ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس ابن الابار کئی صدیاں گزر جانے کے بعد پیدا ہوا، اس لیے ممکن ہے اس کے راوی کو غلطی لگی ہو۔

۲۔ کتب تاریخ میں یہ بات کثرت سے ذکر کی گئی ہے کہ محمد الرازی اموی بادشاہ محمد بن عبدالرحمٰن اور اس کے بیٹے المنذر کے دربار سے وابستہ رہا اور مؤخر الذکر کی سفارت کے فرائض انجام دینے کے دوران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ہی رازی کی وفات ہوئی۔ اس بات پر تمام مؤرخین متفق ہیں کہ المنذر ۳ ربیع الاول ۲۷۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور عموماً بادشاہ اتنی جلدی کسی اجنبی پر اس قدر بھروسہ نہیں کیا کرتے کہ تخت نشین ہوتے ہی سفیر بنا دیں، اس میں یقیناً وقت لگا ہو گا، اور محمد الرازی کی سفارت اور وفات کا واقعہ ربیع الثانی ۲۷۴ھ میں پیش آیا ہو گا۔

بہر حال ابن الفرضی اور ابن الابار کو اس لحاظ سے بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی باپ بیٹے دونوں کا اکٹھا تذکرہ نہیں کیا۔ ابن الفرضی نے بیٹے کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر محمد الرازی کو نظر انداز کر دیا ہے ابن الابار نے صرف باپ کا ذکر کر دیا ہے اور بیٹے کا نہیں کیا، یہی حال دیگر متقدمین کا ہے۔ ان میں سے جس کسی نے باپ کا ذکر کیا ہے۔ اس نے بیٹے کو نظر انداز کیا ہے اور بیٹے کا ذکر کرنے والوں نے باپ کو چھوڑ دیا ہے۔ لیکن جدید دور کے دو فاضل تذکرہ نگار کسی طرح بری الذمہ قرار نہیں دیے جا سکتے، جنہوں نے ایک ہی سانس میں باپ کو ربیع الثانی ۲۷۳ھ میں مردہ ظاہر کیا ہے اور ساتھ ہی اس کے بیٹے کی پیدائش ۱۰ ذوالحجہ ۲۷۴ھ بتائی ہے۔ ہماری مراد استاذ خیر الدین زرکلی صاحب الاعلام اور معجم المولفین کے مصنف علامہ رضا کحالہ سے ہے۔ ان دونوں نے باپ اور بیٹے (یعنی محمد اور احمد) دونوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس فاصلہ زمانی کا سبب نہیں بتایا اور نہ اس کی طرف کوئی اشارہ کیا ہے، جو باپ کی وفات اور بیٹے کی پیدائش کے درمیان موجود ہے۔

سب سے قابل رحم تو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار۔ فاضل مستشرق لیوی پروفنسال ہے جس نے باپ اور بیٹے کا ذکر ایک ہی مقالے میں کیا ہے اور بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ باپ کی وفات ربیع الثانی ۲۷۳ھ (ستمبر ۸۸۶ء) میں ہوئی اور بیٹا ۱۰ ذی الحجہ ۲۷۴ھ (۲۶ اپریل ۸۸۸ء) میں پیدا ہوا۔ مگر یہ نہ بتایا (اور نہ اس کی سمجھ میں آیا) کہ یہ تقریباً دو سال کا وقفہ کیا معنی رکھتا ہے۔ جو باپ کی وفات اور بیٹے کی پیدائش کے درمیان پایا جاتا ہے۔ ؟

اطلاع برائے ایجنٹ حضرات! باوجود بار بار یاد دہانی کے جن حضرات نے ابھی تک اپنا حساب بیباق نہیں کیا وہ نوٹ فرما لیں کہ اگست کا پرچہ مع سابقہ رقم کے انہیں وی پی ارسال کیا جائیگا۔

(ناظم دفتر ترجمان الحدیث)

© rasailojaraid.com